
Urdu Virtual Library Presents
میں عشق ہوں
سلمان کے قلم سے
EPISODE1
UrduVirtualLibrary.blogspot.com

میں عشق ہوں

سلمان کے قلم سے

پہلی قسط

باب اول

عشق بے کنارا

پہلی قسط

میں عشق ہوں

سلمان کے قلم سے

باب اول

عشق بے کنارا

پہلی قسط

یہ کہانی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب دنیا کے ایک خطے میں رہنے والے لوگ دوسرے خطے کے رہنے والے لوگوں سے نا آشنا تھے۔۔ مغرب میں رہنے والوں کو مشرق کے لوگوں کے بارے معلومات نہ تھیں۔۔ شمال کے مکین جنوب کے عوام کو نہیں جانتے تھے۔۔ عرب، ایران ، روس اور یورپ ہی بڑی طاقتیں تھی اس دنیا میں۔۔ ان میں لگاتار چپقلش چلتی رہتی تھیں۔۔ عرب کے مسلمان ساری دنیا پر اسلام کا پرچار کرنا چاہتے تھے اور اسی لیے وہ دنیا کے ہر خطے میں جاکر اسلام کا پرچم بلند کر رہے تھے۔۔ انہوں نے ایران کے بادشاہ کے محل پر بھی اسلام کا جھنڈا اگاڑھ لیا تھا اور اندلس کی سرزمین کو بھی اسلام کے نام کر دیا تھا۔۔ روس میں ابھی بھی عیسائیوں کا راج تھا۔۔ جو مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی فتوحات کو دیکھ دیکھ کر اندر ہی اندر ان پر قبضہ کرنے اور انہیں شکست دینے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔۔

عرب سے اگلی جانب ایران کے ساتھ ہند بستا تھا۔۔ پہلے تو ہند کے بارے میں کم لوگ جانا کرتے تھے کیونکہ یہاں زیادہ تر بتوں کے پجاری بستے تھے۔۔ عرب اور افغانستان کے فاتحین نے ہند پر اسلام کا علم بلند کرنے کے لیے ہند پر قبضہ کرنے کی کئی کوششیں رچائیں مگر ہند کافی بڑا تھا وہ اس کے کچھ علاقے فتح کر لیتے تو باقی حاصل کرنے کے چکر میں پہلوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے۔۔ ہاں البتہ ان حملوں کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ ہندو مت کے بہت سے پیروکار اسلام سے متاثر ہو گئے اور یوں برصغیر پاک وہند کا ظہور ہوا۔ کچھ اور مذاہب جیسے سکھ مذہب، بدھ مت اور جین مت نے بھی اس زمانے میں سر نکالنا شروع کر دیا تھا مگر ہند میں دو مذاہب کے پیروکار بکثرت ہو گئے۔ ایک تھے ہندو جو کہ بتوں کی پوجا کرتے تھے اور دوسرے وہ لوگ جو ہندو مت سے اسلام کی طرف راغب ہوئے تھے۔

پھر عربیوں نے ایک نیا طریقہ سوچا۔۔ ہند پر قبضہ کرنے کا۔۔ ہند میں اسلام تو پھیلنے لگا تھا مگر لوگ ابھی بھی اسلام سے مکمل واقفیت نہیں رکھتے تھے اور ان لوگوں کو اسلام سے کلی طور پر روشناس کرانے کے لیے باقاعدہ انہیں اسلامی تعلیم و تبلیغ دینا ضروری تھا مگر ہندوؤں کو یہ گوارانہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے ہند سے تجارت شروع کر دی۔۔ ہند ابھی اتنا ترقی یافتہ نہیں ہوا تھا چنانچہ وہاں کے لوگوں کو اپنی روزمرہ کی ضروریات پوری کرنے کے لیے عرب سے تجارت کرنا پڑی۔۔ مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ اس تجارت کی آڑ میں عرب ہند پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اس تجارت کے آڑ میں عرب کے کیا مقاصد ہیں!

✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧

718عیسوی۔۔

عرب سے ایک تجارتی قافلہ ہند کی جانب رواں ہوا۔ عرب اور ہند کے درمیان بحیرہ عرب تھا جو ان دونوں کو جدا کرتا تھا۔ جس کے باعث عرب اور ہند کے درمیان تجارت بحری راستے سے ہوتی تھی۔ اور اسی لیے یہ تجارتی قافلہ بھی بحری جہاز کے ذریعے عرب کے طرف روانہ ہونے والا تھا۔ عرب کے تمام محنت کش اور تاجر جنھوں نے اپنا سامان تیار کر رکھا تھا ہند جا کر بیچنے کے لیے وہ سب اس بحری جہاز میں سوار تھے۔ ان تاجروں میں جہاں بھاری تعداد میں مسلمان تھے وہیں عیسائی اور یہودی بھی شامل تھے جو اپنا سامان بیچنے ہند جا رہے تھے۔ سب لوگ بہت خوش تھے کہ ہند جا کر وہ بھاری نفع کمائیں گے اور پھر کچھ پل چین کی بانسری بجائیں گے۔ جب سب سوار جہاز میں سوار ہو گئے تو جہاز نے بھی منزل پر جانے کے لیے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ بادبان باندھے گئے اور لنگر اٹھا لیے گئے اور یوں یہ بحری سفر کا آغاز ہوا۔

✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧

"آج موسم کتنا حسین ہے!

پورا آسمان بادلوں سے اٹا پڑا ہے۔۔

اور شفق کو دیکھو کیسے ان بادلوں کے پیچھے سے سر نکال نکال کر منظر کے حسن میں اضافہ کر رہی ہے"!

مسکراتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ بحری جہاز سے باہر فضا میں نکالا اور پھر چلتی ہوئی تیز ہوا کے بہاؤ کو محسوس کرنے لگی

"اور یہ خوبصورت سی شام کی ہوا کتنا خوبصورت احساس دیتی ہے جب یہ میری انگلیوں کے پوروں کے بیچ سے گزرتی ہے
"

وہ مسکرائی۔

ٹھنڈی ٹھنڈی شام کی ہوا اس کے وجود کے گرد چکر لگانے لگی اور وہ مسکراتے ہوئے ہوا کے دوش پر رقص کرنے لگی جھومنے لگی اور کچھ گنگنانے لگی۔

سرخ شام کی سرخ روشنی اس کی گالوں کو بھی گلابی اور سرخی مائل بنا رہی تھی جس سے اس کا حسن مزید تجاوز کر رہا تھا۔ اور پھر ان گالوں سے اوپر پرکشش روشن آنکھیں جو ڈوبتے سورج کی زردی اپنے اندر بسائے اور بھی پرکشش سجھائی دے رہی تھیں۔ اور اس نے روایتی عیسائی لباس زیب تن کر رکھا تھا۔

"عاطرہ۔۔عاطرہ کہاں ہو بیٹا"

وہ اس نظارے سے لطف اٹھا رہی تھی کہ جب کسی نے اسے پکارا تو وہ مسکرائی اور پلٹ کر دیکھا تو اس کے سامنے ایک ادھیڑ عمر خاتون کھڑی تھیں جس نے روایتی عیسائی لباس زیب تن کر رکھا تھا۔

"ماں"

اس نے مسکرا کر اس عورت کو پکارا

"کہاں چلی گئی تھی عاطرہ؟ میں وہاں ایک تاجر سے کچھ خریدنے لگ گئی تھی۔"

ماں نے عاطرہ کے قریب آکر کہا

"میں تو اس حسین شام کا لطف اٹھا رہی تھی ماں۔ تجھے پتا ہے ماں جب بھی موسم سہانے کا لطف اٹھاتی ہوں مجھے یوں لگتا کہ خداوند بھی میرے ساتھ ہیں اور مجھے دیکھ رہے ہیں۔"

عاطرہ نے مسکرا ڈوبتے سورج کو دیکھا

"ارے پگلی ایسی باتیں نہیں کرتے کسی نے سن لی تو زبان کاٹ دیں گے تیری۔

خداوند جیسی پاک ہستی ہم گناہگاروں کے پاس کیونکر ہو سکتی ہے"

عاطرہ کی ماں نے اسے سمجھایا

"ماں میں نے انجیلِ مقدس میں پڑھا تھا کہ خداوند ہمارے پاس ہی ہوتا ہے"

عاطرہ نے اپنی ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔

"اچھا چل کچھ سامان ہے وہ ہمیں سامان والے کمرے میں رکھنا ہے رات کو ڈاکو بھی آسکتے ہیں اور اسی لیے ہمیں اسے محفوظ جگہ پر رکھنا ہے"

عاطرہ کی ماں نے اسے تاکید کی۔

ابھی وہ دونوں یہی باتیں کرنے میں مصروف تھیں کہ انہیں جہاز میں ایک زور سنائی دیا۔

"یہ کیسا شور ہے ماں"!

عاطرہ نے مارے تعجب کے کہا

"اس طرف سے آرہا ہے"

عاطرہ کی ماں نے آواز کا بہاؤ محسوس کرتے ہوئے کہا

پھر وہ دونوں اس آواز کی سمت روانہ ہو گئیں۔

عاطرہ اور اس کی ماں کا تعلق ایک عیسائی گھرانے سے تھا۔ وہ سات سال کی تھی جب اس کے بابا کا انتقال ہو گیا تھا اور تبھی سے عاطرہ کی ماں لیلی نے اسے اور اس کے دو چھوٹے بہن بھائی کو تنہا ہی پالا پوسا۔ عاطرہ کی چھوٹی بہن اس سے دو برس چھوٹی تھی جس کا نام روزینہ تھا اور اس سے چھوٹا بھائی عیسی جو روزینہ سے تین برس چھوٹا تھا۔ عاطرہ کی ماں پہلے تو سہی مزارعین تھی مگر پھر اس نے بچت کر کے علاقے کی دوسری خواتین کی طرح گھر میں دستکاری شروع کر دی۔ یہ لوگ ساری سردیاں گھر میں بیٹھے مختلف اصناف کی چیزیں بناتے رہتے اور پھر گرمیوں میں دوسرے علاقوں میں جا کر بیچ آتے۔ پہلے پہل تو یہ سارے کام لیلی کو تنہا کرنا پڑتے مگر عاطرہ کی عمر جب پندرہ سال ہوئی تو اس نے ہر کام میں ماں کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ لیکن لیلی اسے تجارتی قافلے کے ساتھ نہ لیکر جاتی کیونکہ تجارتی قافلے محفوظ کہاں ہوتے ہیں کبھی بھی کوئی بھی قافلہ ڈاکوؤں کے ہاتھوں لٹ سکتا ہے اور ڈاکو بھی ایسے کہ جن کو انسان کے بجائے حیوان کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ جو صرف مال ہی ہڑپ نہ کرتے تھے بلکہ مردوں کو قتل کر دیتے اور عورتوں کو اپنی نفس کی خواہشات کی تکمیل کے لیے استعمال کرتے۔ ایسے میں اگر کوئی بچ جائے تو خدا کی مہربانی سمجھتا اور خود کو دنیا میں سب سے خوش نصیب سمجھتا۔ اس بار بھی لیلی عاطرہ کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتی تھی مگر عاطرہ بضد تھی کہ روزینہ اور عیسی اب اتنے بڑے ہو چکے ہیں کہ وہ اپنا خیال رکھ سکتے ہیں اور لیلی بوڑھی ہو چکی ہے اس لیے عاطرہ نے ضد کر کے لیلی کے ساتھ جانے کی بات منوائی اور یوں وہ ہند کے لیے روانہ ہو گئے۔

✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧

عاطرہ اور لیلیٰ وہاں اس آواز کی سمت پہنچے تو وہاں جا کر حیرت زدہ رہ گئے کیونکہ وہاں لوگوں کا ایک ہجوم کھڑا تھا اور اس ہجوم کے بیچ و بیچ ایک لڑکا کھڑا تھا جس کے پیچھے ایک لڑکی اپنے آپ کو چھپاتی ہوئی کھڑی تھی۔ وہ ہجوم شاید ان دونوں پر برس رہا تھا۔

"ان دونوں کو سمندر میں پھینک دیا جائے۔اس کے سوا ان کے لیے اور کوئی سزا باقی نہیں بچی۔"

ایک دم ہجوم میں سے ایک انتہائی معزز آدمی آگے بڑھا اور اس لڑکی اور لڑکے کو دیکھا۔

"مم مگر چچا میں عشق کرتا ہوں اس سے"

لڑکے نے کپکپاتے ہوئے کہا۔اس کی آنکھوں میں پشیمانی نہیں تھی اور نہ ہی خوف ہاں مگر اپنے عشق کی سر زمانہ بے حرمتی اسے کپکپا رہی تھی۔

"دیکھ کیسے زبان چلاتا ہے یہ ؟ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری"

وہ معزز آدمی پھر سے گرجا

"ہائے میری بیٹی کی عزت تباہ کر دی اس لڑکے نے۔

ربا!میری ہی دھی نے مجھے رسوا کر دیا"

اس معزز آدمی کے پاس کھڑا لڑکی کا باپ دھاڑیں مارتے مار کر رو رہا تھا اور وہ لڑکی اپنے محب کے پیچھے اپنی چادر سے چہرہ چھپائے کھڑی تھی۔

اس کی آنکھوں میں نمی تھی اپنے ہی باپ کو اپنی ہی پسند کا دشمن دیکھ کر یا پھر پچھتاوا عشق کرنے کا۔

"چچا ہم نے ایسا کچھ نہیں کیا۔۔

چچا میں ہاتھ جوڑتا ہوں۔۔

مجھے میری ماں کی قسم!آپ کی بیٹی ویسے ہی پاک اور باحیا ہے جیسے پہلے تھی۔دیکھیے"

محب نے اپنی محبوبہ کی طرف ایک جھلک دیکھا تو محبوبہ نے بھی محب کی آنکھوں میں ایک لمحے دیکھا جہاں اسے سوائے پیار کے کچھ نہ دکھائی دیا۔

"میرا خدا گواہ ہے آپ کی بیٹی مکمل پاکیزہ اور محفوظ ہے۔

چچا میں نے تو بس عشق کیا ہے۔۔"

لڑکا اب بہاؤ میں بولنے لگا تھا اس کی زبان میں لغزش اب ختم ہو گئی تھی۔

"مم میں آپ کی بیٹی سے نکاح کے لیے بھی تیار ہوں"

اس نے پورے ہوش و حواس میں کہا

لڑکی ایک دم تڑپ کر رہ گئی شاید یہ سوچتے ہوئے کہ کوئی اتنا بھی چاہ سکتا ہے۔

ایک زوردار تماچہ محب کے چہرے پر لگا۔

"کس طرح بے باکی سے کھلم کھلا لڑکی سے نکاح کی بات کرتا ہے۔۔؟"

ایک زوردار آواز ابھری۔

محب ایک دم الجھ گیا اسے سمجھ نہ آئی کہ ہوا کیا ہے کیونکہ وہ اس تماچے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس نے نگاہ بحری جہاز میں چاروں طرف دوڑائی۔ ہر طرف خلق کھڑی تماشہ دیکھ رہی تھی اور ہزاروں کے اس مجمعے میں کوئی بھی عشق کا دفاع کرنے والا نہیں تھا۔ پھر وہ خود ہی بولا کیونکہ انسان کو اپنا دفاع خود ہی کرنا پڑتا ہے لوگ تو بس تماشہ دیکھتے ہیں اور انتشار پھیلاتے ہیں۔

"چچا میرا عشق اتنا کچا نہیں کہ ایک تھپڑ سے کرچی کرچی ہو جائے۔۔ میرا عشق ایک پہاڑ کی طرح منجمد ہے۔۔ جسے کوئی بھی باد مخالف توڑ نہیں سکتی۔۔

چچا! عشق تو الہامی ہوتا ہے پھر کیوں اسے قباحت اور بے حیائی سمجھا جا رہا ہے۔۔"

محب نے چیخ کر کہا۔

"ماں تو ہی کچھ بول۔۔ یہاں کوئی بھی ان کا ساتھ نہیں دے گا"

ان دونوں کو اس طرح بے چارگی میں دیکھ کر عاطرہ نے اپنی ماں سے کہا

"چپ چاپ کھڑی رہ میری بچی۔۔

تو نہیں جانتی۔۔ یہ دونوں ضرور بدکار ہوں گے۔۔

اگر ان کو پانی میں نہ پھینکا گیا تو خداوند ہمارے جہاز کو ڈبو دیں گے۔ کوئی آفت آ جائے گی ہم پر"

لیلی نے عاطرہ کے منہ پر ہاتھ رکھ لیا

"ماں"

عاطرہ نے بولنے کی کوشش کی تو لیلی نے منع کر دیا۔

پھر ان دونوں کو بحری جہاز کے کنارے تک لے جایا گیا۔ وہ دونوں معافی مانگتے رہے اور رحم کی بھیک مانگتے رہے لیکن ہجوم چپ چاپ تماشہ دیکھتا رہا اور معززین خدا بنے فیصلہ سناتے گئے اور پھر ان دونوں سمندر میں پھینک دیا گیا۔

جب انہیں بحری جہاز سے دھکا دیا جانے لگا تو محب نے محبوبہ کو دیکھا

"مت گھبراؤ

خدا سچوں کے ساتھ ہے"

اس نے محبوبہ کی طرف مسکرا کر کہا

پھر وہ دونوں اپنی محبت کی صداقت کی گواہی دینے کے لیے مسکرا کر پانی میں کود گئے۔۔

--

زمیں کے لوگوں کو یہ گوارا نہیں ہے

جو عشق کرے اس کا گزارا نہیں ہے

ازل سے عشق کا یہ انجام ہوا ہے

عشق تنہا رہا کوئی سہارا نہیں ہے

تختے چڑھایا عشق سولی چڑھایا

چھوڑا نہ جب تک مارا نہیں ہے

عشق نہ کرنا یہ ہے ایسا سمندر

جو ہر جا ہے پھیلا کنارا نہیں ہے

✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧

وہ گھوڑے پر سوار تھا اور اس گھوڑے کو ہوا کے دوش پر مسلسل تیزی سے دوڑاتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ قریب کھڑا انسان اسے براق تصور کرنے لگتا۔ اس نے قدیم جنگلی لباس زیب تن کر رکھا تھا اور پھر اس کا نسلی گھوڑا جو عام لوگوں کو کم ہی میسر ہوتا تھا اسے سب سے ممتاز بنا رہا تھا۔ وہ کھلیانوں کے بیچ تیزی سے گھوڑا دوڑائے جا رہا تھا۔ ارد گرد سبزہ اسے دیکھ دیکھ کر اس کی بلائیں لے رہا تھا اور بادِ صبا وہ تو اس کے چہرے کو چوم چوم کر ساری فضا میں پھیل رہی تھی۔ چڑھتا سورج اپنی نو مولود کرنوں سے اس کے چہرے کی نظر آتار رہا تھا۔ اپنے لباس اور وضع قطع سے وہ کسی ملک کا شہزادہ دکھائی دے رہا تھا۔ یا پھر وہ شہزادہ ہی تھا۔

کنپٹیوں تک آتے لمبے بال جو اس کی شخصیت کو نکھارنے کا باعث بننے میں کسر نہیں چھوڑ رہی تھے۔ چھوٹی چھوٹی پیاری آنکھیں جو ان بالوں کے نیچے نگینوں کی طرح چمک رہی تھیں اور پھر ترچھی ناک جیسے ہمالیہ کے کسی پہاڑ کی چٹان ہو۔ تراشی ہوئی مونچھیں اور خط دار داڑھی اس کی شخصیت کو مزید پرکشش بنا رہی تھی۔ ایسے میں شہر کی کسی بھی دوشیزہ کی نظر اس پر پڑ جاتی تو وہ اس کے حسن کے عشق میں گرفتار ہو جاتی۔

وہ تھوڑا دوڑاتا ہوا شہر کے باہر ویرانے میں بنی ایک جھونپڑی تک جا پہنچا۔ یہی اس کی منزل تھی۔ جھونپڑی کافی بوسیدہ اور پرانی دکھائی دیتی تھی۔ مٹی سے جھونپڑی کی چھت بھری پڑی تھی اور ایک ہولناک منظر پیش کر رہی تھی۔ اس نے جھونپڑی کے دروازے کے آگے اپنا گھوڑا روکا اور گھوڑے کو جھونپڑی کے باہر ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور پھر جھونپڑی کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کیا تھا لکڑی کا ایک تختہ تھا جو کھمبیوں اور بارش کے باعث گل چکا تھا اور دروازے کے پاس نیچے زمین پر گرے درختوں کے پتے جو خزاں میں گر گئے تھے ابھی بھی موجود تھے۔ اس نے دروازے پر دستک دی اور اندر چلا گیا۔

✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧

"یہ کہانی ہے محبت کی۔۔ یہ کہانی ہے عشق کے ایک انمول سلسلے کی۔۔ یہ کہانی ہے آئی حقیقت کی۔۔ جس طرح کئی محبت کرنے والوں کی کہانیوں کی مثالیں یہ دنیا دیتی ہے ایسے ہی ان کی کہانی کی مثال آج ساری دنیا دیتی ہے۔ ان کی کہانی بھی زلیخا اور یوسف علیہ السلام کے قصے کی طرح انمول ہے لیکن نبی عام انسانوں برتر ہوتے ہیں۔ یہ کہانی ہے سرمد کی۔۔ یہ کہانی ہے دل ربا کی۔۔"

کہانی سناتے بوڑھا آدمی نے اپنے سامنے کھڑے شخص کی جانب دیکھا جو ابھی ابھی اوبوڑھے آدمی کی جھونپڑی میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آیا تھا۔

"میں عرصہ دراز سے اس کہانی کو سننے کا خواہش مند ہوں بابا جی"

اس لڑکے نے مسکرا کر کہا

"شہزادے۔۔ میں یہ کہانی تو تمہیں سنا دوں مگر اس کہانی میں جو درد ہے وہ تم کبھی محسوس نہیں کر سکو گے۔ سنانے والا اور سننے والا وہ درد کیسے بیان کر سکتا ہے جو برداشت کرنے والا جھیلتا ہے"

بوڑھے آدمی نے اس لڑکے کو دیکھا۔

وہ لڑکا دراصل ایک شہزادہ تھا عرب کے سلطان یحیی بن سلیمان کا بھتیجا منصور بن زکریا تھا۔ یحیی اور زکریا کے والد سلیمان نے مرتے ہوئے اپنے بڑے بیٹے زکریا کو سلطان بنائے جانے کی وصیت کی مگر باپ کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد زکریا بھی دار فانی سے کوچ کر گئے۔ منصور ابھی نو عمر تھا اسی لیے یحیی نے خلافت سنبھالی لی اور یوں یحیی عرب کے سلطان ہو گئے۔

"باباجی ساری دنیا سرمد کی محبت کے قصیدے گاتی ہے اور میں بچپن سے ہی اس محبت کی داستان سنتا چلا آرہا ہوں لیکن میں نے یہ داستاں کبھی سنی ہی نہیں۔ میری بہت خواہش ہے کہ میں بھی ویسی ہی محبت کروں جیسی انمول محبت سرمد نے کی تھی"۔

منصور نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں شہزادے پھولوں میں رہنے والے محبت کی خواہش نہ ہی کریں یہی ان کے لیے بہتر ہے۔

یہ دنیا محبت کو ہمیشہ برباد کر دیتی ہے"

بابا نے مسکرا کر کہا

"سرمد بھی تو آئی شہزادہ تھے پھر میں کیوں پیچھے ہٹوں"

منصور نے بڑے جوش سے کہا

"میں یہی دعا کروں گا کہ تم کبھی بھی محبت کی وادی میں قدم نہ رکھنا محکوم ہو جاؤ گے تم"

"باباجی! آج تک منصور سالار نے جو بھی جنگ لڑی ہے وہ فتح کی ہے۔ میں عشق کی جنگ لڑوں گا اور بھی اسے فتح بھی کروں گا"

منصور نے بڑے عزم سے کہا

"جاؤ بیٹا عشق اور محبت جیسی چیزوں میں اپنا وقت برباد نہ کرو واپس جاؤ اس ملک کو تمہاری ضرورت ہے ابھی تمہیں اپنی بہادری سے اسلام کو مزید نفع دینا ہے اور اسلام کو پورے عالم میں پھیلانے میں معاونت کرنی ہے"

بابا جی مسکرائے تو منصور نے شکستہ دلی سے بابا جی کو دیکھا

"یعنی آج پھر میں سرمد کی داستان سننے سے قاصر رہا۔ لیکن میں انتظار کروں گا اس وقت کا جب آپ مجھے اس قابل سمجھیں گے"

منصور کھڑا ہوا اور پھر جھونپڑی سے باہر چلا گیا۔

✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧

"آج پھر میں ہمیشہ کی طرح خوبصورت اور حسین دکھائی دے رہی ہوں۔"

لمبا قد آور خوبصورت گلابی فراک پہنے وہ آئینے میں اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔ سیاہ بال اور ان بالوں میں لگا تاج اس کی خوبصورتی کی سرتاجی کر رہے تھے۔ اور پھر سفید دودھ سے بھی دودھیا رنگ کا حامل تھا مانو جیسے ابھی ابھی ہیرے کو جوہر نے دھو کر نکالا ہو۔ نہ کوئی جھری تھی اور نہ کوئی لیکر۔ دھبہ تو چاند میں بھی ہوتا ہے مگر اس کا چہرہ ہر دھبے سے پاک تھا۔ گلابی ہونٹوں کے پہاڑ جن کو سرخی سے سرخ کیا گیا تھا یوں لگتا تھا ہمالیہ کو خون سے بھر دیا گیا ہو۔

"مجھے آئینہ بہت اچھا لگتا ہے کیونکہ یہ مجھے میری خوبصورتی دکھاتا ہے اور میرا وجود میری خوبصورتی مجھے اس دنیا میں سب سے سے زیادہ پسند ہے"

اس نے اپنے خوبصورت چہرے کو دیکھا۔ وضع قطع اور حسن اسے شہزادی دکھا رہا تھا یا وہ شہزادی ہی تھی اسی لیے اتنی خوبصورت تھی۔

"اور میرے بعد مجھے وہ پسند ہے میرا عشق منصور سالار"

وہ مسکرائی

اتنے میں کسی نے اسے پکارا

"شہزادی زلیخا"

اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو اس کے سامنے آئی خادمہ کھڑی تھی۔

"حضور آپ کے باباجان آپ کو طعام میز پر یاد فرمارہے ہیں"

خادمہ نے بڑے ادب سے کہا

"منصور سالار آگئے کیا؟"

طعام کا سنتے ہی زلیخا مسکرائی

"جی حضور! جناب طعام خانے میں دوسرے افراد کے ساتھ ہیں"

خادمہ نے کہا

"تم جاؤ ہم آتے ہیں"

زلیخا نے نچلے ہونٹ کو بالائی دانتوں میں دبایا۔ یہ بھی مسکرانے کا ایک انداز ہوتا ہے ایک ایسی مسکان ایک ایسی خوشی جو انسان صرف خود کو دکھانا چاہتا ہے۔

"آج ہمیں دیکھ کر آپ خود بخود ہمارے سحر میں گرفتار ہو جائیں گے اور ہمیں محبت کا اظہار کر ہی دیں گے"

خادمہ کے جاتے ہی وہ پھر سے خود کو آئینے میں دیکھنے لگی۔

"عشق۔۔۔"

اس نے پھر سے نچلے ہونٹ کو بالائی دانتوں کے نیچے دبایا

"آج تو ہو ہی جائے گا منصور سالار"

پھر وہ مسکراتے ہوئے اپنے کمرے سے نکل گئی۔

زلیخا عرب کے سلطان یحیی بن سلیمان کی اکلوتی بیٹی تھی اور اکلوتی ہونے کے ساتھ ساتھ لاڈلی بھی تھی اور خوب حسین بھی تھی۔ اتنی کہ اگر اس کے چہرے سے کبھی نقاب ہٹ جاتا اور کوئی نوجوان اسے دیکھ لیتا تو اگلے دن اس کی موت کی خبر آجاتی کیونکہ زلیخا کسی کی ہو ہی نہیں سکتی تھی اور نوجوان کو اپنے عشق کی ناکامی پر مر جانا پڑتا۔

✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧

مسکراتے ہوئے زلیخا طعام خانے کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں پہلے ہی یحیی سلطان اپنی بیگم گل سلطان، منصور سالار اپنی والدہ ماریہ کے ساتھ موجود تھے۔ زلیخا نے ایک نظر منصور کو دیکھا اور پھر وہاں ان سب کے ساتھ آکر ایک کرسی پہ بیٹھ گئی۔

"آپ نے آنے میں پھر سے دیر کر دی زلیخا سلطان"

گل سلطان نے پانی کا گلاس منہ سے لگایا ہوا تھا

"والدہ محترمہ ہمیں خادمہ نے اطلاع دینے میں دیر کر دی ہو گی ورنہ ہم تورات کے کھانے کے کب سے منتظر تھے"

زلیخا نے اپنی ماں کو دیکھا

"اگلی بار احتیاط کیجیے گا"

ماریہ سلطان نے کہا

"جی تائی محترم"

"اور آپ بتایئے کیسا رہا آپ کا آج کا دن منصور سالار"

یحیٰی سلطان نے منصور کو دیکھا

"یہ بھنا ہوا گوشت یہاں انڈیل دیجیے"

ماریہ سلطان نے ایک ملازمہ سے کہا جو گوشت کے تھال لیکر آئی تھی۔

"چچا جان آج ہم شکار کے لیے نہیں گئے"

منصور نے نہایت ادب سے کہا

"کیوں آپ تو شکار کے وقت گھر نہیں تھے پھر کہاں تھے؟"

"ہم درویش کے پاس چلے گئے تھے۔ آپ تو جانتے ہیں ان کی باتیں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں"

"ہم نے آپ کو کئی بار منع کیا ہے اس درویش کے پاس مت جایا کریں لیکن آپ ہماری کوئی بات نہیں سنتے"

یحیٰی سلطان نے غصے سے کہا

"وہ میرے بابا کو بہت پسند تھے اور بابا مجھے ان کے بارے بتایا کرتے تھے"

منصور نے کہا

"لیکن وہ مجھے نہیں پسند"

سلطان نے کرخت لہجے میں کہا

"آپ آئندہ وہاں نہیں جائیں گے"

"چچا جان آپ مجھے وہاں جانے سے نہیں روک سکتے"

منصور اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور طعام خانے سے چلا گیا۔

"آپ نے دیکھ لیا منصور کا رویہ۔۔

وہ فقیر اس کا دماغ خراب کر دے گا"

یحیٰی نے ماریہ سلطان کو دیکھا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر چلا گیا۔

ماریہ سلطان اور گل سلطان ایک دوسرے کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی اور زلیخا اس بات پر افسوس منا رہی تھی کہ منصور اور دیکھے بنا چلا گیا۔

"بابا کوئی اور وقت نہیں ملا تھا کیا اس بات کے لیے"

زلیخا نے غصے سے اپنی ماں کو دیکھا

"زلیخا تمیز سے بات کرو وہ ماں ہیں تمہاری"

ماریہ سلطان نے زلیخا کو ڈانٹا

"منصور کو ڈانٹ بابا نے منصور کو تکلیف دی ہے"

زلیخا نے کہا اور پھر وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر چلی گئی تو گل سلطان کی آنکھوں سے آنسو نکل آیا

"آپ پریشان نہ ہوں گل سلطانہ۔ ہم منصور کو سمجھائیں گے آئندہ وہ بھائی جان سے ایسے بات نہیں کریں گے اور وہ معافی بھی مانگیں گے"

ماریہ سلطان نے گل سلطان کو دلاسہ دیا

"لیکن اس میں منصور کا کوئی قصور نہیں بھابھی"

گل سلطان نے کہا

"آپ بجا فرما رہی ہیں مگر منصور کو اپنے چچا کی ہر بات ماننی ہو گی ورنہ اگر اس کے جوان خون کو یونہی جوش مارنے دیا تو کہیں وہ چچا کے مقابل نہ کھڑا ہو جائے"

ماریہ سلطان نے کہا

"لیکن وہ درویش تو اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں زکریا بھائی جان اور سلیمان بابا وہ تو ان کے مرید تھے پھر منصور کو بھی وہ پسند ہیں۔ منصور کا ذہن سوچے گا اس بات کو اور بغاوت تو وہ اس پر بھی کر سکتا ہے اگر اسے سچائی کا پتا چل گیا کہ اس کے بابا طبعی موت نہیں مرے تھے"

گل سلطان نے کہا

"گل سلطان آج کے بعد یہ بات منہ سے مت نکالیے گا۔ میں جانتی ہوں لیکن یہ نہیں چاہتی کہ میرے بیٹے کو اس بات پر کوئی غم ہو۔ وہ اپنے چچا کو اپنا محسن سمجھتا ہے اور میں بھی یہی چاہتی ہوں"

ماریہ سلطان نے کہا

"خدا ہم پر رحم کرے"

گل سلطان نے کہا۔

"اچھا آپ آج کہاں آرام فرمائیں گی"

ماریہ سلطان نے گل سلطان سے کہا

"ہم آج بھی والدہ کے ساتھ آرام کریں گے۔ ہم نے یحییٰ سلطان سے کہہ دیا تھا آج ہم والدہ کے کمرے میں ہوں گے"

گل سلطان نے جواب دیا۔

پھر وہ دونوں کھانا کھانے لگیں۔

✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧✦✧

آدھی رات ہو چکی تھی اور چاند آسمان بالکل بیچ میں آگیا اور ایسے میں محل کے تمام دیے اور چراغ بجھا دیے گئے تھے سوائے ان کے جو ڈیوری میں تھے یا جو عمارت سے باہر تھے۔ ایسے میں ایک نقاب پوش جس نے سیاہ کپڑے زیب تن کر رکھے تھے اور چہرے پر سیاہ نقاب لگا رکھا تھا وہ محل کے کمروں کی بیچ بنی ڈیوری میں سے گزر رہا تھا۔ اطراف میں لگے دیے جل رہے تھے اور ڈیوری میں بھینی بھینی روشنی چھینک رہے تھے۔

اس نقاب پوش نے ہاتھ میں ایک خنجر پکڑ رکھا تھا اور پھر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ آخر ایک کمرے کے دروازے کے آگے آ کر رک گیا اور پھر اس نے آہستگی سے جھٹکا دے کر دروازہ کھولا۔ اندر پلنگ پر یحیٰی سلطان آرام کر رہے تھے۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا پلنگ کے قریب آگیا اور پھر اس نے خنجر اٹھایا

"آج تمہیں مرنا ہو گا یحیٰی سلطان۔۔

تم ایک قاتل ہو"

وہ غصے سے بڑبڑایا اور خنجر یحیٰی سلطان کی گردن پر دے مارا۔

جاری ہے

ہماری ویب سائٹ پر شائع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنف / مصنفہ محفوظ ہیں۔ انہیں ادارے یا مصنف کی اجازت کے بغیر نقل نہ کیا جائے۔ ایسا کرنے پر آپ کے خلاف قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے۔ ہمیں پہلی اردو ورچوئل لائبریری کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے اور اگر آپ ہماری لائبریری میں اپناناول، ناولٹ، ناولہ، افسانہ، کالم، مضمون، شاعری قسط وار یا مکمل شائع کروانا چاہتے ہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے بھیج دیجیے۔

UrduVirtualLibraryPK@gmail.com

+923114976245

ان شاءاللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب سائٹ پر شائع کردی جائے گی۔ کسی بھی قسم کی تفصیلات کے لیے اوپر دیے گیے ذرائع پر رابطہ کرسکتے ہیں۔

شکریہ

ادارہ: اردو ورچوئل لائبریری